اُردو ریسرچ جرنل "تشکیل" جلد:4، شمارہ:1 (جنوری تا جون 2026ء)

Urdu Research Journal Tashkeel ISSN (Online): 3007-3294, ISSN (Print): 3007-3286
Article Received: 09-03-2026 / Accepted: 18-06-2026 / Published: 30-06-2026
https://creativecommons.org/licenses/by-nc/4.0/
Doi: https://doi.org/10.66457/tashkeel.v4i1.63

علی اکبر رفسنجانی خان

ایم فل اُردو ، قُرطبہ یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

محمد رضا شاہ

ایم فل اُردو، یونیورسٹی آف سدرن پنجاب، ملتان

بانو قدسیہ کے افسانوں میں سماجی اخلاقیات: ایک جائزہ

Ali Akbar Rafsanjani Khan
M.Phil Urdu, Qurtuba University, DI Khan
Email: aliakbar.sed.edu@gmail.com
ORCID: https://orcid.org/0009-0005-3220-8767
Muhammad Raza Shah
M.Phil Urdu, University of Southern Punjab, Multan
Email: razashah1353@gmail.com
ORCID: https://orcid.org/0009-0003-7699-1605

An Overview of Social Ethics in the Short Stories of Bano Qudsia

ABSTRACT
Bano Qudsia is a prominent fiction writer famous for her social and moral stories. There has been an extensive research work on Qudsia, but it has never been looked into with the perspective of social ethics and moralities present in her stories. She explained the social issues like poverty, illiteracy, domestic violence, gender discrimination, racism, dowry system and forced marriage in her stories. The aim and reason of writing this article is to visualize "Social Ethics" revealed by Bano Qudsia in her short stories. After the establishment of Pakistan, Bano remains prominent among women fictionist who wrote about Social Ethics.
Keywords: *Bano Qudsia, Social ethics, Urdu Short Stories, Tawajo ki Talib, Doosra Darwaza, Atish Zairpa, Dastbasta, Bazgasht, Samaji Akhlaq*

بانو قدسیہ اُردو افسانہ نگاری میں اپنا تعارف آپ ہیں۔ اُردو افسانہ نگاری کے عہدِ زریں میں بانو قدسیہ نے اپنی افسانہ نگاری کا آغاز کیا۔ اس عہد میں بڑے بڑے لکھاری اپنے فنِ افسانہ نگاری کو منوا چکے تھے۔ بانو قدسیہ نے ان بڑے

لوگوں کی موجودگی میں نہ صرف اپنے فن کا لوہا منوا کر منفرد مقام حاصل کیا بلکہ آسمانِ ادب پر ستارے کی طرح چمکیں۔ بانو قدسیہ اپنی تمام افسانوی تخلیقات میں طبعی رجحان، افتادِ طبع، موضوعات میں تنوع اور زندگی کو اپنے گہرے مشاہدے اور تجربے کی بنا پر عمیق نظر سے دیکھتے ہوئے اس کے مختلف زاویوں کو سامنے لا کر حقائق اخذ کرتی نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں عصری مسائل کو مؤثر پیرائے میں بیان کرنے کا ہنر جانتی ہیں۔ وہ معاشرتی زندگی کا گہرا مشاہدہ کرتی ہیں اور افراد کی بے یقینی، بے اعتمادی، کرب اور داخلی نا آسودگی کو اپنے افسانوں میں بیان کرتی ہوتی نظر آتی ہیں۔ بے جا تقلید، اقدار سے دوری، سماج میں موجود غلط رویے اور معاشرے میں پیدا ہونے والی دیگر برائیاں ان کے افسانوں کے مختلف موضوع ہیں۔ ڈاکٹر سلطانہ بخش کے بہ قول:

> "ان کی کہانیوں کا تار و پود معاشرتی بنیادوں پر استوار ہے۔ ان کی کہانیوں میں اعلیٰ سوسائٹی کے چونچلے، ان کا منافقانہ رویہ، کھوکھلا پن اور ریاکاری بھی ہے اور مٹی پر سونے والے ننگے لوگوں، بلکتے بچوں اور بے علاج کھانستی لاشوں کے افسانے بھی شامل ہیں۔"(1)

بانو قدسیہ سماجی مطالعے میں گہرا لگاؤ رکھتی ہیں۔ انہوں نے اپنی کہانیوں میں اپنے تخلیقی وسائل کو بروئے کار لا کر معاشرتی زندگی کے باطن میں تلاطم پیدا کرنے والی سماجی برائیوں اور مسائل کو بے نقاب کیا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کی یہ رائے ملاحظہ کریں:

> "بانو قدسیہ کے افسانوں میں نئی اور پرانی اقدار کا تصادم اور رسوم و رواج کی جکڑ بندیاں، ازدواجی زندگی کی پیچیدگیوں کے ساتھ کچھ اس طرح مربوط اور منسلک ہیں کہ انہیں الگ الگ خانوں میں بانٹ کر نہیں دیکھا جا سکتا۔"(2)

بانو قدسیہ معاشرے میں اعلیٰ اخلاقی و سماجی قدروں کا پرچار کرتی ہیں۔ اُن کے نزدیک آدمیت اور انسانیت اولین اور عظیم اخلاقی رشتہ ہے۔ وہ رنگ، قومیت، بے جا نسلی امتیازات اور مسلکی اختلافات کو ایک وبال اور لعنت تصور کرتی ہیں۔ ان کے مطابق جس وقت تک شر کی یہ دیواریں معاشرے میں موجود رہیں گی، معاشرے کے افراد مستقل طور پر استحصال کا شکار ہوتے رہیں گے۔ انہوں نے اپنے مشہور افسانے "کلو" میں ایسے سماجی و معاشرتی مسائل کو ظاہر کیا۔ مشرقی لوگ کافی لمبے عرصے تک انگریزوں کے رعایا رہے اور انگریزوں نے ہمیشہ انہیں کالے کا لقب نواز کر ان کی عزتِ نفس کو پامال کیا۔ اب لوگ جسمانی طور پر تو انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کر چکے ہیں مگر ان کے ذہنوں میں ابھی تک غلامی کے اثرات موجود ہیں اور سماج میں گورے اور کالے کے افتراق میں مبتلا ہیں۔ افسانہ "کلو" میں بانو قدسیہ نے لکھا ہے:

"ہم مشرقی لوگ عجیب بے تکے ہوتے ہیں۔ برسوں انگریزوں کی غلامی میں رہے اور جب کبھی اس نے ہمیں کالا آدمی کہہ کر مخاطب کیا تو ہمارا خون کھولنے لگا۔ آج ہم بھی امریکنوں کو نیگرو لوگوں سے نفرت کرنے پر لعنت ملامت کرتے ہیں لیکن ہمارے اپنے ہاں گورے کالے کا ایسا لمبا سلسلہ چلتا ہے کہ محبوب کی طرح سمٹنے میں ہی نہیں آتا۔"(3)

اس افسانے کا کلیدی کردار گورے اور کالے رنگ کا امتیاز ہے لیکن محبت رنگت کے امتیاز سے کوسوں دور ہے۔ اس افسانے کے مرکزی کرداروں میں کلثوم اور ساجد شامل ہیں۔ علامتی طور پر کلو کا کردار استعمال ہوا ہے۔ اپنی سانولی اور کالی رنگت کے باوجود کلثوم احساسِ کمتری کا شکار نہ ہونے کے ساتھ ساتھ خود اعتماد نظر آتی ہے۔ کلثوم کا گورا کزن ساجد کلثوم سے محبت تو کرتا ہے مگر اس کے سامنے اپنی محبت کا اظہار نہیں کر پاتا۔

"میں کلو سے ہر ممکن طریقے سے کترانے لگا۔ وہ میرے سامنے آتی اور میں مڑ جاتا۔ وہ کچھ پوچھنے آتی تو میں بے انتہا مصروفیت ظاہر کرتا۔ وہ دودھ کا گلاس لیے کھڑی ہے اور میں خواہ مخواہ آنکھیں موندے پڑا ہوں۔ وہ کھانے کے لیے بلا رہی ہے اور میں پڑھتا چلا جاتا ہوں۔ مجھے اس کے وجود سے چڑ سی ہونے لگی تھی۔"(4)

نوجوان نسل کے ذہنی انتشار اور معاشرتی خلفشار جیسے موضوعات بھی بانو قدسیہ کے افسانوں میں شامل ہیں۔ نوجوان ذہن، سوچ اور خیالات کے حوالے سے ناپختہ اور ناپائیدار ہوتے ہیں۔ اس لیے اکثر اوقات نوجوان ہمارے دوہرے سماجی و معاشرتی رویوں کی نظر ہو کر زندگی کے حقائق کو پس پردہ ڈالتے ہوئے غلط فیصلہ سازی پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ بانو قدسیہ نے اپنے افسانے "دانت کا دستہ" میں ایک لڑکی عائشہ کا کردار بیان کیا ہے جو بھٹکے ہوئے نوجوان طبقے کی عکاس ہے اور شان و شوکت اور جھوٹی نمائش و زیبائش کا اثر قبول کرتے ہوئے احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی ہے۔ عائشہ کو اپنے گھر کے تمام اخلاقی رویوں اور ضابطوں میں گھٹن محسوس ہوتی ہے اور اپنے ہمسائے کے ایک گھرانے کی نرگسیت اور خود پسندی کو اخلاقی بلندی سے تعبیر کرتے ہوئے بختیار علی سے محبت کر بیٹھتی ہے۔ اس ضمن میں اقتباس دیکھیے:

"بلی آپا کے خاندان کی ہر بات کو ہاتھی دانت کا دستہ لگا ہوا تھا اور اس دستے پر بھی نہ جانے کس بزرگ کا دستِ مبارک پھر چکا تھا کہ نظر پڑتے ہی یہ آپ کے دل کا تعویز بن جاتا۔۔۔ جو بھی آدابِ گرہستی طور طریقے میں نے سیکھے وہ سب میں نے بلی آپا کے خاندان سے مستعار لیے۔ میرے لیے تو ان کی باتیں وہ فلسفہ تھیں جس کو پڑھ کر ایک بانگڑو پارکھ بن کر برہسپتی بن جاتا ہے۔ کھانا، پینا اور اوڑھنا، گفت گو کا رنگ ڈھنگ، نشست و برخاست کے اُصول غرض یہ کہ زندگی کے سارے رمز و کنائے سب ان ہی کے طفیل سمجھ میں آئے۔"(5)

بانو قدسیہ معاشرے میں مادیت پرستی سے بیزار نظر آتی ہیں۔ وہ انسانی فطرت سے ماورا ماحول کے حق میں نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانے "ترقی کی ٹرین" میں ایک ایسے انسان کی کہانی بیان کی ہے جو محض شہرت کا خواہاں ہے۔ فیاض اور سجاد سگے بھائی ہیں اور دونوں کا بچپن گاؤں میں ایک ساتھ گزرا ہے ۔ بدلتا وقت دونوں بھائیوں میں فاصلہ بڑھا دیتا ہے۔ فیاض زندگی کے اعلیٰ مدارج اور ترقی حاصل کرتے ہوئے اپنے گاؤں اور ماضی دونوں بھلا دیتا ہے۔ کافی وقت کے بعد وہ اپنے بھائی سجاد کی عیادت کے لیے گاؤں آتا ہے تو اسے سب کچھ یہاں تک کہ اپنے خونی رشتے بھی اجنبی سے لگتے ہیں۔

> "پتا نہیں کیوں بچپن میں اسے یہ گلی کھلی لگا کرتی تھی۔ وہ یہاں محلے کے بچوں کے ساتھ مل کر کرکٹ بھی کھیلتا تھا لیکن اب جیسے دونوں طرف کے گھر ضد چڑھے آگے کھسک کر لڑتے مینڈھوں کی طرح مشک جوڑنے پر تُلے تھے۔ اتنے دن گزرنے پر بھی ابھی جابجا چارپائیاں آڑھی ترچھی پڑی تھیں۔ بوڑھے ان پر عمر قید کی سی کیفیت میں بیٹھے تھے اور کہیں کہیں چھوٹے بچے نالیوں اور سیڑھیوں پر بیٹھے نظر آتے تھے۔ بچپن میں یہ راستہ فیاض کو بھی کبھی اتنا اداس، گندا اور بے سروسامان نہ لگا۔"(6)

مادیت پرستی نے فیاض کے اندر سے انسانیت کی محبت اور تڑپ دونوں کو دور کر دیا ہے۔ مادی ترقی کی اس دوڑ کی وجہ سے وہ اپنی روحانی و اخلاقی قدروں کو کھو چکا ہے۔ ان باتوں کا احساس سجاد اسے اس طرح سے دلاتا ہے:

> "سنو فقیری کے بھی دو پرچے ہوتے ہیں۔ ایک اے پیپر، دوسرا بی پیپر۔ پہلا پرچہ تھیوری کا ہے، دوسرا پریکٹیکل کا، تمھارے پہلے پرچے میں نوے فیصد نمبر ہیں۔ تھیوری کا علم بہت ہے تمھارے پاس، لیکن پریکٹیکل میں تم فیل ہو میرے بھائی۔۔۔ زیرو لیا ہے تم نے۔ بیماری میں کشف ہونے لگتا ہے میں نے خود دیکھے ہیں تمھارے نمبر۔ دین کے امتحان میں تم فیل ہو فیل۔۔۔"(7)

بانو قدسیہ کے اس افسانے نے ہمارے اجتماعی لاشعور پر کاری ضرب لگائی ہے۔ مادی ترقی کی خواہش نے انسان کو تہذیبی روایات اور اخلاقی اقدار سے میلوں دور کر دیا ہے۔

بانو قدسیہ اپنے افسانوں میں محبت کو خارجی پہلو کی بجائے داخلی پہلو کے حوالے سے بیان کرتی ہیں۔ ان کے افسانے "واماندگیِ شوق" میں محبت کے انہی داخلی پہلوؤں کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس افسانے کا موضوع عہدِ بلوغت کے آغاز میں ہونے والی ناپختہ محبت ہے۔ اس عہد میں انسان جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ جذباتی نشوونما کے مرحلوں سے بھی گزر رہا ہوتا ہے اور بلوغت کی سیڑھی پر پہلا قدم رکھتے ہی اس کو نسوانی حسن محسوس ہونے لگتا ہے۔ اس

افسانے میں پولی نام کی لڑکی کی کہانی احاطہ تحریر میں لائی گئی ہے جو بلوغت کی عمر میں قدم رکھتے ہی کالج کی تمام طالبات میں اپنے حسن کے حوالے سے نمایاں ہونے لگتی ہیں۔ بانو قدسیہ پولی کا تعارف کچھ یوں کراتی ہیں:

"خوبصورتی میں یوں تو پولی جمیلہ، شاہدہ اور نینا کے پاسنگ بھی نہیں تھی لیکن اس کے حسنِ ملیح میں ایک عجیب گرفت تھی جو ہمارے کالج کی کسی اور لڑکی کو نصیب نہ ہو سکی۔ پر حلقے میں پولی کے متعلق مختلف قسم کی گُفت گو ہوا کرتی۔"(8)

پولی نظریاتی محبت کی متلاشی تھی۔ ایسی محبت کی خواہاں جو ازل و ابد کے درمیاں پھیلی ہوئی ہو۔ مقصود نامی لڑکا پولی سے بہت زیادہ محبت کرنے لگتا ہے مگر مقصود محبت میں ثابت قدم ثابت نہیں رہتا اور آخر کار خود کُشی کے ذریعے اپنی جان لے لیتا ہے۔ خود کُشی کرنے سے پہلے پولی کے لیے کچھ الفاظ لکھ کر چھوڑ جاتا ہے:

"پولی یقین ماننا میں تمھارا تھا اور صرف تمھارا تھا اور میں تمھارا ہی رہا ہوں۔ ازل سے۔"(9)

مقصود کی موت کے موقع پر پولی کے دل میں اس کی محبت کا تاثر ظاہر نہیں ہوتا بلکہ وہ کہتی ہے:

"کاش اُسے علم ہوتا کہ انسانی زندگی کتنی قیمتی ہے، کس قدر خوبصورت ہے اور کچھ لوگ کیسے اسے سینے سے لگائے پھرتے ہیں اور جیے جاتے ہیں حالانکہ جینے کی کوئی خاص وجہ بھی نہیں ہوتی۔"(10)

اس افسانے میں مصنفہ نے ہمارے ایک عام معاشرتی رویے اور محبت کو ہم آہنگ کر تے ہوئے یہ واضح کرنے کی شعوری کوشش کی ہے کہ انسان کو اپنے کیے گئے فیصلے پر اعتماد ہونا چاہیے اور کبھی بھی اپنے آپ کو حالات کی نظر کرتے ہوئے زندگی کا خاتمہ نہیں کرنا چاہیے۔ مشکل اور نامساعد حالات کا خوانمردی سے مقابلہ کرنے والے ہمیشہ بہادری کی مثال ثابت ہوتے ہیں۔

جنس انسانی فطرت کا اہم اور لازمی جزو ہے۔ ایک حقیقت نگار جنس جیسے اہم پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتا مگر جنس نگاری کا ہر گز مقصد تعیش پسندی اور تلذذ نہیں بلکہ معاشرے کے گھناؤنے اور تلخ پہلوؤں کی عکاسی کرنا ہے۔ بانو قدسیہ کے افسانوں میں جنسی جذبے کے موضوع کو بھی نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے ایک افسانے "پہلا پتھر" کا مرکزی کردار زبیر اپنی محبت کے حصول کے لیے زارا جیسی حسن پرست لڑکی سے زبردستی جنسی تعلق قائم کرتے ہوئے ہوس کا نشانہ بناتا ہے مگر محبت کو حاصل کرنے کا یہ ناکام تجربہ ثابت ہوتا ہے۔

"زبیر کے بالوں بھرے بازو آگے بڑھے اور اس نے زارا کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ چھوڑیے زبیر صاحب۔۔۔۔ڈرتی ہوں۔ مجھے گھر لے چلیے۔ پلیز زبیر مجھے گھر لے

چلیے۔۔۔وہ بپھرے ہوئے شیر کی مانند اس کی طرف لپک کر آیا اور ایک ہی ریلے میں اسے بہا کر لے گیا۔"(11)

بانو قدسیہ کا مشہور افسانہ "کتنے سو سال" ہماری سماجی روایات کے حوالے سے مذہب کی غلط تفہیم و تشریح کا بہترین عکاس ہے۔ اس کہانی کی ہیروئن ایک ہندو لڑکی ہر درشن کور ہے جو بعد میں اسلام قبول کر لیتی ہے۔ تاہم ہندو گھرانے میں پیدائش کی وجہ اسے کوئی بھی مسلمان گھرانہ اپنانا نہیں چاہتا۔ بانو قدسیہ کا یہ افسانہ نو مسلم کے خلاف ہمارے مذہبی تعصب کی بہترین اور مکمل عکاسی کرتا ہے۔ ہمارا دین تو نو مسلم کے واضح اور نمایاں ہدایات فراہم کرتا ہے لیکن ہمارا معاشرہ ان ہدایات کی غلط اور من پسند تشریح کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو قبول کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوتا۔ یہی رویہ ہر درشن کور کے ساتھ بھی اپنایا جاتا ہے۔ اپنا نام، مذہب اور ملک سب کچھ چھوڑ دینے کے باوجود اسے مسلمان گھرانے میں نہیں اپنایا جاتا۔ ہر درشن کور خُدا سے سوال کرتی ہے کہ آخر کب تک تیرے بندے مجھے قبول کرنے کے لیے تیار ہوں گے؟

"یارسول اللہؐ! تیرے در پر آئے ہوئے لوگوں کے لیے تیرے پیاروں نے دروازے کیوں بند کر رکھے ہیں۔ مجھے اس بات کا رنج نہیں کہ سوڈھی سرداروں کی لڑکی تیلی کے ساتھ بیاہی جا رہی ہے۔ میں تجھ سے پوچھتی ہوں کتنے برسوں میں ایک نو مسلم مسلمان ہو جاتا ہے؟ اور پھر مسلمان ہو جانے پر کب اور کس طرح وہ تیرے دروازے پر دستک دینے والوں پر تیرا ہی دروازہ بند کر دیتا ہے؟"(12)

دولت اور وسائل کی غیر مساوی تقسیم ہمارے معاشرے کا اہم مسئلہ ہے جسے بانو قدسیہ نے اپنے موضوعات میں شامل کیا ہے۔ ان کے کردار مفلسی، کمزوری، محرومی اور اندھیرے کے خلاف مزاحمت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ بہ قول عفت افضل:

"بانو قدسیہ نے طبقاتی کشمکش، معاشرتی رسوم و رواج، نوجوان نسل کی بے راہ روی اور ان کے ذہنی مسائل، محبت، جنس، عورت کا احساسِ محرومی، ان کے عدم تحفظ کا احساس، خوف، ازدواجی تعلقات اور رشتوں جیسے اہم موضوعات کو بڑی خوبی سے برتا ہے۔"(13)

بانو قدسیہ غریب اور نادار طبقے کی بے کسی بہ خوبی جانتی ہیں۔ اُن کے مطابق اس بے کس طبقے کو معاشرتی و سماجی انصاف مل جائے تاکہ یہ لوگ پُر سکون زندگی بسر سکیں۔ افسانے "اسباقِ ثلاثہ" میں طبقاتی تضادات کی خوب عکاسی کی گئی ہے۔ یہ کہانی دراصل ایک امیر گھرانے کی بیگم اور اُس کے خانساماں غلام عباس کی کہانی ہے جو کہ بہت ذہین ہے مگر اس کی جلد بازی اسے ہمیشہ دھوکہ دیتی ہے۔ غلام عباس اپنی اوقات نہ دیکھتے ہوئے مساوات اور جمہوریت جیسے عنوانات پر

مدلل اور طویل لیکچر دینا شروع کر دیتا ہے۔ یہاں پر بانو قدسیہ نے ہماری معاشرتی و سماجی کشمکش پر گہرا طنز کرتے ہوئے یہ بات نمایاں کی ہے کہ کہنے کی حد تک تو ہر معاشرہ جمہوریت کو فروغ دینے کا خواہاں ہے مگر عملاً ایک نوکر کو اپنے مالک کے سامنے جمہوری باتوں اور احتجاج کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

"سرکار جمہوریت نہیں چلے گی تیسری دنیا میں۔۔۔ جب تک مساوات نہ ہو جمہوریت کا بوٹا کیسے لگ سکتا ہے یہاں۔ ہمیں تو ایک شیر شاہ سوری لا دیں جو کلکتہ سے پشاور تک سڑک بنا دے ہمیں تو ایک وڈیرا لا دیں جو مزارعوں کا لہو نہ پیے ان سے انصاف کرے۔۔ ۔ گائے بھینس، بکریاں جمہوریت کا کیا بناویں گی سرکار ہمیں تو جدھر ہانک لے جائیں چلے جائیں گے۔"(14)

بانو قدسیہ کی کہانیوں میں اس معاشرتی زیادتی اور ظُلم کے خلاف بغاوت کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے افسانے "مجازی خُدا" میں استحصال زدہ طبقے کی بھرپور نمائندگی کی گئی ہے۔ اس افسانے کا اہم کردار تابی ایک طوائف ہے جس کا پیشہ جسم فروشی ہے۔ ایک دن تابی کا ضمیر اسے جسم فروشی ترک کرنے اور پاکیزہ زندگی گزارنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ یہاں پر ہمارے معاشرے کے دوہرے رویے کو بڑے احسن انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ عصمت فروشی کا پیشہ ترک کر دینے کے بعد معاشرے میں اسے سماجی تحفظ نہیں مل پاتا۔ تابی کا احساسِ تحفظ اسے بدصورت اور بدوضع شیخ کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

"اس کا جی چاہتا ہے کہ اٹھ کر شیخ جی کے پاؤں چوم لے۔ اپنے چمڑے کے سلیپر بنوا کر شیخ جی کے گدگدے پیروں میں پہنا دے۔ اللہ مجھ راندی ہوئی سے شیخ جی نے نکاح پڑھوایا۔ مجھ بازار والی کو یہ عزت بخشی، کوڑے کی ٹوکری کو سر پر اٹھایا۔ جب یہ باتیں اس کے ذہن میں آئیں تو شیخ جی کی محبت کا سوتا آبشار بن کر گرتا اور روح تک کو سرشار کر جاتا۔"(15)

بانو قدسیہ نے معاشرتی زندگی کا گہرا اور عمیق مشاہدہ کر کے اپنے افسانوں میں عصری مسائل کو مؤثر پیرائے میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرتی افراد کی بے قراری، بے اعتمادی، دکھ اور داخلی نا آسودگی کو بھی مقید کیا ہے۔ ان کے افسانوی موضوعات میں سماج میں پائے جانے والے غلط رویے، اقدار سے دوری، بے جا تقلید، اور معاشرے میں پیدا ہونے والی دیگر برائیاں شامل ہیں۔ ان کے افسانوں کا تار و پود معاشرتی اور سماجی بنیادوں پر استوار ہے۔

بانو قدسیہ معاشرتی اعلیٰ اخلاقی قدروں کی علمبردار ہیں۔ اُن کے مطابق انسانیت اور آدمیت کا شمار عظیم اخلاقی قدروں میں ہوتا ہے۔ اس لیے انہوں نے نسلی افتراق، مسلکی اختلافات، رنگ اور قومیت کے فرق کو وبال قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق شر کے یہ عناصر معاشرتی افراد کے استحصال کا سبب بنتے ہیں۔ انہوں نے زندگی کے تمام پہلوؤں کی ترجمانی

کرتے ہوئے معاشرتی ناہمواریوں کی مرقع کشی کی ہے جس سے زندگی کی تمام حقیقتیں بے نقاب ہو گئی ہیں۔ بانو قدسیہ کی یہ کہانیاں سماج پر عمیق نظر، گہری سوچ اور وسعتِ مطالعہ کی غماز ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ سلطانہ بخش، ڈاکٹر (مرتب)، پاکستانی خواتین کے افسانوی ادب میں عورتوں کے مسائل کی تصویر کشی، وزارتِ ترقیِ خواتین حکومت پاکستان، اسلام آباد، 2005ء، ص 101

2۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، اُردو افسانے کی روایت، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 1991ء، ص 103

3۔ بانو قدسیہ، توجہ کی طالب، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1985ء، ص 588

4۔ ایضاً، ص 69

5۔ بانو قدسیہ، دوسرا دروازہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1999ء ص 157

6۔ ایضاً، ص 161

7۔ ایضاً، ص 38

8۔ بانو قدسیہ، آتشِ زیرپا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2000ء، ص 128

9۔ ایضاً، ص 148

10۔ ایضاً، ص 143

11۔ ایضاً، ص 144

12۔ بانو قدسیہ، دوسرا دروازہ،، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص 123

13۔ عفت افضل، بانو قدسیہ: شخصیت اور فن، ادارہِ انشا،، حیدر آباد، 2003ء، ص 52

14۔ بانو قدسیہ، دست بستہ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2003ء، ص 146

15۔ بانو قدسیہ، بازگشت، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1993ء، ص 25

References in Roman Script:

1. Sultana Bakhsh, Dr. (Murattib), Pakistani Khawateen ke Afsanavi Adab Mein Auraton ke Masail ki Tasveer Kashi, Wizarat-e-Taraqqi-e-Khawateen, Hukumat-e-Pakistan, Islamabad, 2005, P. 101.
2. Mirza Hamid Baig, Dr., Urdu Afsanay Ki Riwayat, Akademi Adabiyat Pakistan, Islamabad, 1991, P. 103.

3. Bano Qudsia, Tawajjuh Ki Talib, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 1985, P. 588.
4. Ibid., P. 69
5. Bano Qudsia, Doosra Darwaza, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 1999, P. 157.
6. Ibid., P. 161
7. Ibid., P. 38
8. Bano Qudsia, Aatish-e-Zair-e-Pa, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 2000, P. 128.
9. Ibid., P. 148
10. Ibid., P. 143
11. Ibid., P. 144
12. Bano Qudsia, Doosra Darwaza, Sang-e-Meel Publications, Lahore, P. 123.
13. Iffat Afzal, Bano Qudsia: Shakhsiyat aur Fan, Idara-e-Insha, Hyderabad, 2003, P. 52.
14. Bano Qudsia, Dast Basta, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 2003, P. 146.
15. Bano Qudsia, Baz Gasht, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 1993, P. 25